ڈاکٹر ظہور الحسن انصاری

نگار نامہ

عہدِ اورنگ زیب کی ایک اہم تالیف

نگار نامہ عہدِ اورنگ زیب کی ایک اہم تالیف ہے جسے اس کے ۲۷ ویں سنِ جلوس (۹۵-۱۰۹۴ھ) میں منشی لال چند ملتانی معروف بہ ملک زادہ نے مرتب کیا۔ ملک زادہ شہزادہ معظم کا منشی تھا اور شہزادہ کی مہم کابل میں بھی شرکت کے لیے روانہ ہوا تھا مگر موسم کی خرابی اور غیر یقینی صحت کی وجہ سے اسے پشاور سے واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد وہ رحمت خان دیوان دکن کی خدمت میں رہا اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد اس نے یہ کتاب مرتب کی[1]۔ نگار نامہ سے پہلے منشی لال چند نے ایک اور کتاب کارنامہ مرتب کی تھی، مگر اس کا پتہ نہیں چلتا۔

نگار نامہ اورنگ زیب کے فرامین، اس کے امرا اور حکام کے خطوط اور عریضے، شہزادوں اور بیگمات کے مراسلات اور خود منشی لال چند اور دیگر منشیوں کے ذاتی خطوط پر مشتمل ہے۔

نگار نامہ سے عہدِ اورنگ زیب کی انتظامی صورتِ حال، مالی معاملات اور زرعی نظام پر بہت تفصیل سے روشنی پڑتی ہے اور اسی اعتبار سے اس کتاب کی اہمیت ہے۔

اورنگ زیب کی مالی دشواریاں گوناگوں تھیں۔ خزانہ تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ فوج کی تنخواہ باقی پڑ جاتی تھی۔ باقاعدہ وصولی نہ ہونے کی وجہ سے مہمات حضور شاہی کا انتظام نہیں ہو پاتا تھا اس لیے روپیہ کے لیے گورنروں سے بار بار تقاضا ہوتا تھا۔ عنایت خاں کے نام اس انداز کا فرمان ہے۔ شیخ محمد مراد ایک عرصہ سے آگرہ میں الہ آباد کے خزانے کا انتظار کر رہا تھا شاہی اخراجات اور روپیے کی ضرورت کے بارے میں بار بار لکھا جا چکا ہے۔ اس لیے اگر آگرہ کے

---

[1] منشی لال چند ملتانی ملک زادہ: نگار نامہ نولکشور ۱۸۸۲، ص ۹۰۶

خزانہ سے دس لاکھ اور سرکار معلی میں جو بارہ لاکھ ہے سب بھیج دیا جائے تو بہتر ہے۔ ورنہ جاگیر سے جو کچھ وصول ہوا ہو اسے رقم مذکور پر اضافہ کر دیا جائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو وہی دس لاکھ فوراً روانہ کر دیا جائے تاکہ مہمات حضور شاہی کی تکمیل ہو سکے اور فوج کو تنخواہ دی جا سکے[۵۲]

مگر گورنروں کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ روپیہ نہ ہونے کی شکل میں وہ رقم فراہم کرنے سے معذور تھے ایسی صورت میں دوسرے اضلاع کے خزانوں سے رقم قرض لی جاتی تھی۔ مثلاً ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب میں جاگیروں کی تبدیلی سے ۶ لاکھ سات ہزار روپے کا فرق پڑا۔ چونکہ وہاں کے خزانے میں اتنی رقم نہیں تھی۔ اس لیے اٹاوہ کے خزانہ کے نام تنخواہ کا پروانہ روانہ کر دیا گیا[۵۳] ایک اور خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۵ لاکھ روپیہ جو سرکار خالصہ کے ذمہ ہے اور تقریباً ۹ مہینے کی تنخواہ ہے، اس کی وصولی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ادھر صرافوں پر اعتبار نہ ہونے سے ہنڈی نہیں بھیجی جا سکتی اور جمعیت نہ ہونے سے نقد۔ اس لیے دہلی اور آگرہ سے تین تین لاکھ روپیہ منگوایا گیا ہے[۵۴]

خزانہ کی رقم کا روزانہ بیورا تیار کیا جاتا تھا۔ دیوان اور کروڑ بندی کو تاکید تھی کہ تمام رقم خزانے کے کوٹھے میں مہر اور قفل میں رکھی جائے اور روزانہ کے آمد و خرچ کا تفصیلی بیورا تیار رکھا جائے[۵۵]

مالیات کے سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ غیر معیاری سکوں کا تھا۔ بعض مرتبہ خود ٹکسال سے غیر معیاری سکے جاری ہو جاتے تھے۔ اس لیے ٹکسال افسر کو زبردست تاکید تھی کہ سکوں کے ضرب میں معیار کا پورا خیال رکھا جائے[۵۶] فوطہ دار کو حکم تھا کہ لین دین میں عالمگیری روپیہ لیں یا شاہجہانی۔ کم وزن روپیہ جو رائج بازار نہیں ہے، ہرگز نہ لیا جائے اور اگر لیا جائے تو اس کی قیمتِ تبادلہ کا پورا خیال رکھا جائے[۵۷]

اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ ملتان کے ناظم ٹکسال کی تنخواہ ۵۰ روپے ماہوار، اور پٹنہ ٹکسال کے افسر کی تنخواہ ۴۵ روپے ماہوار تھی[۵۸] لیکن سندھ کے محتسب کو صرف پاؤ روپیہ روزانہ ملتا تھا[۵۹]

سرکار کی طرف سے غالباً قیمتوں کے تعین کا کوئی منظم عملہ نہیں تھا لیکن امین نرخ کی حیثیت سے

---

۵۲ نگار نامہ ص ۶۹، ۵۳ ایضاً ص ۳۸، ۵۴ ایضاً ص ۳۸، ۵۵ ایضاً ۸۲، ۸۴
۵۶ ایضاً ص ۱۴۱، ۵۷ " ص ۱۰۰ ۵۸ " ص ۱۵۳، ۱۴۴۔
۵۹ " " ۱۴۸

ایک افسر کام کرتا تھا جو بعض چیزوں کی پرچون اور تھوک قیمتوں کا تعین کرتا تھا اور اسے یہ تاکید تھی کہ قیمتوں کا تعین ایسی احتیاط سے کرے کہ بیوپاریوں پر کوئی زیادتی نہ ہو[10] ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آصف نگر کی منڈی میں نمک کے دو نرخ تھے۔ ایک بیوپاریوں کے لیے دوسرا کاشتکاروں کے لیے۔ اور دربار سے یہ حکم ہوا کہ دونوں نرخ باقی رکھے جائیں[11]

بیوپاریوں سے کمیشن وصول کرنے کے لیے معقوم مقرر کیے جاتے تھے۔ بدری داس اور نین سُکھ کو بنارس میں مقومی کی خدمت پر مامور کیا گیا تو انھیں ہدایت ہوئی کہ کپڑے کی قیمت اس طرح مقرر کریں کہ کمیشن کی وصولیابی میں کوئی فرق نہ پڑے[12]

اگرچہ اورنگ زیب نے کئی نئے ٹیکس لگائے تھے مگر معافی اور رعایت کی آسانیاں بھی تھیں۔ امیرالامرا کے وکیل نے عرضی گذرانی کہ مکان کی تعمیر کے لیے ۵ ہزار مالیت کی لکڑی پہاڑ سے لانی ہے۔ حکم ہوا کہ لکڑی کا کوئی محصول نہ لیا جائے[13] ایک بار خالصہ شریفہ کے افسران نے رعایا سے گذشتہ سالوں کا بقایا طلب کیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ باقی داروں میں کچھ فوت ہو گئے ہیں کچھ فرار ہو گئے ہیں اور جو رہ گئے ہیں وہ نادار ہیں۔ حکم ہوا کہ بقایا انھیں سے لیا جائے جو واقعی دے سکتے ہوں۔ فوتی، فراری اور نادار کو معاف سمجھا جائے[14] اس سلسلہ میں ان تاجروں کے لیے خاص رعایت تھی جو بیرونی ممالک سے سامان لاتے تھے۔ دو خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درآمد کرنے والوں کے ساتھ خاص رعایت تھی اور اگر وہ دربار کے لیے خریدکرتے تھے تو اُن سے کوئی محصول نہیں لیا جاتا تھا[15]

اورنگ زیب نے غیر مسلم رعایا پر جزیہ لگایا تھا۔ اس ٹیکس کی وصولی سے حکومت نے اپنے اوپر بہت بڑی ذمہ داری لے لی تھی۔ اب اس کا فرض تھا کہ کسی غیر مسلم کی جان و مال اور عزت و آبرو کو کوئی بھی نقصان پہنچے تو حکومت اس کی تسلّی بخش تلافی کرے۔ پھر بھی اورنگ زیب طعن و تشنیع کا ہدف بنا ہوا ہے کہ اس نے اندھا دھند جزیہ وصول کیا۔ نگارخانہ کے دو فرامین سے اورنگ زیب کی جزیہ پالیسی پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے علامہ سید سلیمان ندوی نے ان فرامین کی طرف اشارہ کیا تھا۔ پہلے فرمان کی رُو سے جزیہ دینے والے اپنی آمدنی کے مطابق تین حصوں میں منقسم تھے۔

---

[10] نگارنامہ ص ۱۴۲ [11] ایضاً ص ۷۵ [12] ایضاً ص ۱۴۶ [13] ایضاً ص ۱۴۶

[14] نگارنامہ ص ۱۴۹ [15] ایضاً ص ۸۲، ۱۵۶

اور تینوں گروپ سے جزیہ کی الگ الگ رقم لی جاتی تھی[16] دوسرے فرمان کی رُو سے اورنگ زیب نے یہ واضح حکم دیا کہ جن نادار کاشت کاروں کی آمدنی مشکل سے ان کی اور ان کے مویشیوں کی خوراک اور بیج کے لیے کافی ہوتی ہے ان سے ہرگز جزیہ نہ لیا جائے تاکہ وہ فراغت سے اپنے پیشے میں مشغول رہیں۔ کیونکہ اس سے رعیت کا امان اور ملک کی آبادی ہے[17]

نگارنامہ سے عہدِ اورنگ زیب کے انتظامیہ کی بڑی روشن تصویر سامنے آتی ہے۔ ہر افسر کو مقرر کرتے وقت جو ہدایات دی جاتی تھیں ان کا تفصیلی بیان ملتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد افسران کو ایسے سرکلر بھیجے جاتے تھے۔ جن میں انھیں اپنے فرائض کی یاد دہانی کرائی جاتی تھی اور اپنے طرزِ عمل کو راست رکھنے کی تاکید ہوتی تھی۔ ایسی ہدایات دیوان، عامل، کوتوال، امین، کروری، فوطہ دار، قلعہ دار، مقوم، فوجدار، واقعہ نویس اور دیگر عہدہ داروں کے نام ملتی ہیں۔ ان ہدایات سے اورنگ زیب کی سُوجھ بوجھ، فراست، بصیرت اور انتظامی دُور اندیشی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چند ہدایات ملاحظہ فرمائیے۔

دیانت بیگ فوجدار کو:

دیانت بیگ نظم و نسق کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑے۔ مفسدوں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کرنے اور راستوں کو محفوظ رکھنے میں پوری سعی کرے اور ایسا انتظام کرے کہ تمام رعایا اور کاشت کار فارغ البالی سے کھیتی باڑی میں مصروف رہیں۔ مسافروں کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ تمام معاملات کا فیصلہ اربابِ عدالت کے اتفاق سے ازروئے شریعت کیا جائے اور تھانہ داروں کو پوری تاکید کر دے کہ کسی غلط مد میں کوئی رقم نہ لیں[18] کوتوال کو یہ حکم تھا کہ تمام رعایا کو اپنے حُسنِ سلوک سے راضی رکھے اور شہر کی چوکیداری میں پوری ہوشیاری سے کام لے تاکہ چوری کا نام تک نہ رہے، اور وہاں کے لوگ آرام سے اپنے اپنے کام میں مشغول رہیں۔ اگر کوئی کسی جُرم میں پکڑا جائے تو اسے قید کرنے اور رہا کرنے میں قاضی کے دستخط کے مطابق عمل کرے اور اس طرح احتیاط برتے کہ کوئی کسی کمزور پر دست درازی نہ کر پائے[19] واقعہ نویس کا فرض تھا کہ تمام واقعات بلاکم و کاست لکھ کر ہفتہ کے ہفتہ

---

[16] نگار نامہ، ص ۷۷ [17] ایضاً، ص ۱۳۹ [18] ایضاً، ص ۷۸

[19] ایضاً، ص ۹۰

مرکز کو روانہ کرے[20] امین کو یہ قدغن تھا کہ کوئی زائد رقم از قسم بھینٹ، فصلانہ، فرمائش وغیرہ نہ لے تاکہ رعیت مرفہ الحال اور جمع خاطر ہو کر اپنے پیشہ میں مصروف رہے[21]

اس سلسلہ میں اورنگ زیب نے پندرہ اصولوں پر مشتمل ایک دستور العمل مرتب کیا تھا جس پر ہر دیوان کو عمل کرنا لازمی تھا۔ یہ اصول انتظامیہ کے مختلف شعبوں پر حاوی تھے اور ان پر سختی سے پابندی کی تاکید ہوتی تھی۔ اس دستور کے مطابق ہر دیوان کو حکم تھا کہ:

(۱) عاملوں، چودھریوں اور قانون گویوں کو خلوت میں اجازت نہ دے بلکہ سر دربار بلائے اور عام رعایا کو عرض حال کے لیے خلا ملا میں آنے کی اجازت ہو۔

(۲) عاملوں کو پوری تاکید کی جائے کہ رعایا کی خبر گیری کرتے رہیں تاکہ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق پچھلے سال سے زیادہ کاشت کرے۔ اچھی جنس پیدا کرے اور قابلِ زراعت زمین افتادہ نہ چھوڑے۔

(۳) جب دیوان کسی دیہات سے گذرے تو وہاں کی پیداوار اور کاشت کار کی بساط کا خیال رکھے۔ اگر معلوم ہو کہ کاشت کار پر کوئی زیادتی ہوئی ہے تو اسے اس کا حق دلائے۔

(۴) تمام افسران کو یہ تاکید رہے کہ کوئی ممنوعہ رقم نہ لیں، اور اگر کوئی افسر ایسی رقم لینے سے تاکید کے باوجود باز نہ آئے تو اس کی حقیقت ہمارے حضور میں لکھی جائے تاکہ اسے نوکری سے معزول کر کے اس کی جگہ دوسرے کا تقرر کیا جائے[22]

ان چند اصولوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ افسران کے طرزِ عمل پر حکومت کی خاص نظر رہتی تھی ایک اور فرمان میں حکم ہوا کہ وفادار افسران کا آئین یہ ہے کہ ہمیشہ حق رسی، کار پردازی، کفایت شعاری اور رعیت کی بہبود پیش نظر رکھیں[23]

لیکن دیوان کی چوکسی اور دربار کی تاکید کے باوجود افسران ناجائز رقم بھی لیتے تھے اور رعایا کو تنگ بھی کرتے تھے۔ ایسے افسران کے خلاف بادشاہ کو برابر شکائتیں پہنچتی رہتی تھیں اور ان کے خلاف فوراً تعزیری کارروائی کی جاتی تھی۔ ایک عرضداشت میں درخواست کی گئی کہ سرکار خالصہ

۲۰؎ نگارنامہ ص ۸۸ | ۲۱؎ نگارنامہ، ص ۷۱ | ۲۲؎ نگارنامہ، ص ۹۹

۲۳؎ نگارنامہ، ص ۷۱

کے فوجدار رعایا کو بہت تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ان کے گماشتے لوگوں کو بیگار میں پکڑتے ہیں اور کسانوں اور کمزوروں کو تنگ کرتے ہیں[24]

ایک فرمان میں حکم ہوا کہ وقائع لاہور سے مکرر معلوم ہوا کہ فیلبان عام رعایا کو آزار پہنچاتے ہیں اور لوگ جوق در جوق آکر ان کے ظلم کے خلاف امانت خاں حاکم سے فریاد کرتے ہیں۔ اس لیے امانت خاں کو حکم دیا جاتا ہے کہ جو خلقِ خدا کی آزار رسانی کرتے ہوئے پایا جائے، اسے نوکری سے برطرف کر دیا جائے اور ایسا انتظام کیا جائے کہ کمزوروں کے مال و جان کو کوئی نقصان نہ پہنچے[25]

اورنگ زیب انتظامی معاملات میں کسی شہر کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں برتتا تھا۔ دہلی ہو، یا آگرہ، اجمیر ہو یا بنارس، ہر شہر کے حسنِ انتظام پر اس کی پوری توجہ ہوتی تھی۔ چنانچہ مرزا بیگ کو بنارس کا کوتوال اور میر بحر مقرر کرتے ہوئے اس نے یہ حکم دیا کہ مرزا بیگ راستی اور دیانت پر قائم رہے اور ایسا انتظام کرے کہ شہر میں کوئی چوری نہ ہو اور وہاں کے رہنے والے امن و امان سے اپنی روزی روٹی میں مشغول رہیں۔ دریائے گنگا سے گذرنے والوں سے کوئی محصول نہ لیا جائے اور کوئی ملاح اپنی مقررہ اجرت سے زیادہ نہ لے[26] اسی طرح پٹنہ کے داروغہ بحر کو حکم ہوا کہ دیوان کے مشورے سے ملاحوں کی مناسب اُجرت مقرر کرے تاکہ وہ کم و بیش نہ لیں[27]

نگار نامہ مغلوں کے زرعی نظام کے سلسلہ میں بہت اہم دستاویز ہے۔ اس کے مختلف خطوط سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زراعت کے متعلق حکومت کی بنیادی پالیسی کیا تھی۔ اور اس پالیسی میں کاشت کار کی بہتری کہاں تک بنیادی اہمیت رکھتی تھی۔ اورنگ زیب کی زرعی پالیسی میں زمین پر بنیادی توجہ تھی۔ اس بات پر بار بار ہدایت کی جاتی تھی کہ افتادہ اراضی قابل کاشت بنائی جائے اور اچھی اراضی کاشت سے نہ رہ جائے۔ پرگنہ کے عاملوں کو حکم تھا کہ بنجر زمین جس طرح بھی ہو سکے آباد کی جائے تاکہ ایک بسوہ بھی بے کار نہ رہے[28] یہ بھی تاکید تھی کہ ہر پرگنہ میں مزروعہ اور غیر مزروعہ زمین کی الگ الگ تفصیل تیار کی جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ زمین کے نامزروعہ رہنے کی وجہ عاملوں کی بے توجہی ہے یا رعایا کی ناداری۔ نیز گذشتہ سال کے مقابلہ میں

---

۲۴ نگار نامہ، ص ۲۷ — ۲۵ نگار نامہ، ص ۶۶ — ۲۶ نگار نامہ، ص ۱۴۱

۲۷ نگار نامہ، ص ۱۴۵ — ۲۸ نگار نامہ، ص ۷۷

اس سال کی پیداوار کا کیا تناسب ہے[۲۹] اسی طرح امین کو حکم تھا کہ بیج ڈالنے کے موسم میں تمام اراضی پر پہنچ کر پورا اہتمام کرے تاکہ کوئی قابل کاشت زمین نہ رہ جائے[۳۰]

زمین کے سلسلہ میں ایک جھگڑا یہ ہوتا تھا کہ جو اراضی دریا کا رُخ بدلنے سے دوسری طرف جا پڑی ہے، اس کی ملکیت کس سے متعلق ہو۔ اورنگ زیب نے یہ حکم دیا کہ جس اراضی پر بیس سال تک کسی کا قبضہ ہو، وہ سیلاب کی وجہ سے دوسرے کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ لیکن جو اراضی اس سے کم مدت میں دوسرے زمین دار کے حدود میں جا پڑی ہے وہ اسی سے متعلق سمجھی جائے گی[۳۱]

حکومت کاشت کاروں کو بیج فراہم کرنے میں غالباً کوئی آسانی نہیں فراہم کرتی تھی۔ لیکن اگر کوئی شخص سرکاری استعمال کے لیے کچھ کاشت کرنا چاہتا تو اسے سہولتیں بہم پہنچائی جاتی تھیں ایک فرد سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص سرکاری استعمال کے لیے سولہ بگیہ زمین تربوز کی کاشت کرنا چاہتا تھا۔ حکم ہوا کہ اسے جہاں پسند ہو سولہ بگیہ زمین دے دی جائے اور فالیز کی کاشت کے لوازم مہیا کیے جائیں[۳۲]

زراعت کی بہتری کے لیے حکومت آبپاشی پر پورا دھیان دیتی تھی۔ چنانچہ ایسے احکام بار بار ملتے ہیں کہ نئے نالے کھودے جائیں۔ پرانے صاف کیے جائیں۔ سیلاب کی روک تھام کی جائے اور نوبت مقرر کر دی جائے تاکہ ہر کوئی اپنی باری پر سینچائی کرے اور بغیر باری کے کوئی شخص اپنے کھیت کو پانی نہ دے[۳۳] نالے کے علاوہ کنوؤں پر خاص توجہ تھی۔ حکومت کا فرض تھا کہ بیکار کنوؤں کی مرمت کرائے اور نئے کنوئیں کھدوائے[۳۴] عاملوں کو تاکید تھی کہ اس سلسلہ میں رعایا پر اکتفا نہ کریں بلکہ ہر جگہ پہنچ کر خود دیکھیں کہ کسی کاشت کار کو سینچائی کے سلسلہ میں کوئی پریشانی تو نہیں ہو رہی ہے[۳۵]

کاشت میں عموماً بٹائی کا اصول چلتا تھا۔ یعنی تیار غلّہ میں سے آدھا حکومت لے لیتی تھی اور آدھا کاشت کار کو ملتا تھا[۳۶] مگر جو افسران وصولی پر مامور ہوتے تھے وہ مختلف عنوانات سے رعایا کو تنگ کرتے تھے۔ اس لیے اس بات کی بار بار تاکید ہوتی تھی کہ نصف غلّہ رعایا کو اور نصف بلا خرچ سرکار کو ملے۔ اور کوئی افسر ایسی رقم نہ لے جو سرکار سے منع ہے[۳۷] ایک اور فرمان میں ہے

---

[۲۹] نگار نامہ، ص ۷۷، [۳۰] ایضاً ص ۸۵، [۳۱] ایضاً ص ۱۴۷، [۳۲] ایضاً ص ۱۴۸، [۳۳] ایضاً ص ۱۵۱

[۳۴] ایضاً ۱۲۴، [۳۵] ایضاً ۱۷، [۳۶] ۷۶، [۳۷] ایضاً ص ۶۲

کوئی افسر آدھے سے زیادہ غلہ خراج کے طور پر نہ لے تاکہ رعایا کو کوئی نقصان نہ ہو اور نہ کوئی عینٹ، بالادستی، تحصیل داری، پٹہ داری، آمد و رفت کا خرچ یا کوئی ایسی رقم لے جو سرکار سے ع ہے۔ ہر پرگنہ سے ہر فصل کی کچی رسیدیں لے کر ان کا فارسی میں ترجمہ کر کے دیکھا جائے کہ کسی سر نے کوئی گڑبڑ تو نہیں کی ہے[۳۸]

کوئی ناگہانی آفت آجانے پر غلہ کی وصولی میں رعایت برتی جاتی تھی اور افسروں کو حکم ہوتا تھا کہ وجودہ فصل کا باقاعدہ جائزہ لے کر بٹائی کی تشخیص کریں[۳۹] ایسی صورت میں سرکار کا حصہ بعض رتبہ صرف تہائی رہ جاتا تھا[۴۰] اسی طرح جب شاہی لشکر کسی علاقہ سے گذرتا تھا تو ایک افسر مال کھیتوں کا سروے کرتا تھا جس کے مطابق حکومت کاشت کاروں کو نقصان کا معاوضہ دیتی تھی[۴۱]

اورنگ زیب کے مختلف فرامین میں زراعت کی بہتری اور کاشت کاروں کی بہبود کی بار بار اکید ہوتی تھی حکومت اس بات کی پوری کوشش کرتی تھی کہ غیر آباد زمین آباد ہو۔ ویران موضعے بسائے جائیں اور لوگ خوشحال زندگی گذاریں۔ رسکداس کے نام ایک فرمان آخر میں ہے:

اگر تم ہر قریہ میں پہنچ کر لائقِ زراعت اراضی کی کاشت اور اچھے اناج کی زیادہ پیداوار کی کوشش کرو تو پرگنے باد اور رعایا خوشحال ہوگی اور محصول بھی زیادہ ہوگا اور اگر کوئی آفت بھی آجائے گی تو پیداوار کی کثرت کی وجہ سے محصول میں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ یہ بھی معلوم کرو کہ آباد موضعے کتنے ہیں اور ویران کتنے؟ اور ویرانی کا سبب کیا ہے۔ ان حالات کے علم کے بعد ویران دیہات کو آباد کرنے، قابلِ زراعت اراضی پر کاشت کرنے اور اچھا اناج پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ بیکار کنوؤں کی مرمت کراؤ اور نئے کھدواؤ اور رعایا میں کسی پر ظلم نہ ہو[۴۲]

ان بنیادی باتوں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا، نگارنامہ سے بعض اور دلچسپ باتوں کا بھی علم ہوتا ہے۔ مثلاً ایران سے جو چیزیں آتی تھیں، ان میں گھوڑے زیادہ پسند کیے جاتے تھے[۴۳] مہمانوں کی تواضع پان کے بیڑے سے ہوتی تھی[۴۴] جب شاہی خاندان میں کوئی ولادت ہوتی تھی تو

۳۸ھ نگارنامہ، ص ۸۰ ۳۹ھ نگارنامہ، ص ۱۰۰ ۴۰ھ نگارنامہ، ص ۱۲۳

۴۱ھ نگارنامہ، ص ۹۷ ۴۲ھ نگارنامہ، ص ۱۲۴ ۴۳ھ نگارنامہ، ص ۱۶۹

۴۴ھ نگارنامہ، ص ۱۹۶

بادشاہ سے نام کی درخواست کی جاتی تھی[۴۵] ایسے موقعہ پر بادشاہ کی خدمت میں ایک گراں قدر نذر پیش کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک ہزار اشرفی اور دوسرے میں نوسو مہر طلا کا ذکر ہے[۴۶]

ایک خط میں جونپور کے بارے میں یہ دلچسپ ذکر ہے :

"از گوشۂ جونپور طبیعت چنداں محظوظ نیست۔ برای مشق توکل اقامت این دیار بسیار خوب است"[۴۷]

جب بیدر کا قلعہ فتح ہوا تو ۲۳۰ توپیں ہاتھ آئیں[۴۸] اس دور میں محمد حسین ایک مشہور توپ ریز تھے جن کی ڈھالی ہوئی توپیں دولت آباد کے قلعہ میں تھیں[۴۹]

فوج کو کرایہ کے اونٹ سپلائی کیے جاتے تھے شہزادہ معزالدین کی فوج کو ایک شخص نے ۴۰۰ اونٹ سپلائی کیے تھے[۵۰] ہاتھیوں کی دیکھ ریکھ کا باقاعدہ انتظام تھا اور فیل خانہ کا انچارج وقتاً فوقتاً اپنی رپورٹ بھیجتا تھا۔ ایک عریضہ میں وہ لکھتا ہے کہ حسب الحکم شاہی ہاتھیوں کا معائنہ ہوا۔ اس بار فیل کوہ رواں کچھ دبلا نظر آیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خوراک برابر نہیں ملتی۔ جو پرگنہ یہاں کی ضرورت کے لیے الاٹ کیا گیا تھا، پہلے اس کی آمدنی تین لاکھ تھی اب صرف ۳۶ ہزار ہے[۵۱]

---

[۴۵] نگارنامہ، ص ۱۶، ۱۵۸ [۴۶] ایضاً ص ۳۷، ۵۵ [۴۷] ایضاً ص ۱۹۹، [۴۸] ایضاً ص ۱۰۱

[۴۹] ” ” ۱۸۶ [۵۰] ” ” ۲۱ [۵۱] ” ” ۱۶۵

(بشکریہ برہان دہلی)

فہرست مطبوعات

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی اردو اور انگریزی مطبوعات کی فہرست مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کی جاسکتی ہے ؛

سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور